جماعت احمدیہ کے پھیلنے اور نشو ونما کا جماعت احمدیہ کے خلق مہمان نوازی سے ایک گہرا تعلق ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 راگست 1996ء بمقام نوئے فارن ،میونخ۔ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

(الزمر:54)

پھر فرمایا:

یہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس تعلق میں میں انشاءاللہ مضمون کو واضح کروں گا اور حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ایک اقتباس کے حوالے سے آپ کو کچھ نصیحتیں کروں گا لیکن سردست میں اس خطبے کا آغاز جماعت احمدیہ جرمنی کے اس دورے کے تأثرات سے کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ سفر ہر پہلو سے بابرکت رہا اور جماعت احمدیہ جرمنی کو مختلف پہلوؤں سے دیکھنے اور جانچنے کا موقع ملا اور میں بڑے ہی اطمینان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حضور جذبات تشکر کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ امسال بھی حسب سابق جماعت جرمنی کا قدم میں نے ترقی کی طرف دیکھا ہے اور ہر پہلو سے خدا تعالیٰ کے فضل سے کمزوریاں دور کرنے اور نیا حسن پیدا کرنے کی طرف توجہ مسلسل جاری رہی ہے۔

چنانچہ جلسہ سالانہ میں شرکت کرنے والے جتنے بھی بیرونی مہمان تشریف لائے تھے وہ گواہ

بھی ہیں اور میرے سامنے ذکر بھی کرتے رہے کہ جتنا ہم نے سنا تھا اس سے بہتر پایا اور ہمہ تن مصروف ہو کر، دن رات ایک کر کے جماعت جرمنی نے ہر پہلو سے اتنا اعلیٰ معیار قائم کیا ہے کہ بعض لوگ کہتے تھے کہ ہم تو رشک سے دیکھتے رہے۔ہم سمجھتے تھے کہ ہم بہت بہتر کام کرنے والے ہیں مگر یہاں اس سے بھی بہت اچھا کام دکھائی دیا۔خاص طور پر اس دفعہ جلسہ سالانہ کی صفائی کا معیار بہت ہی غیر معمولی طور پر بلند تھا اور ساتھ ساتھ صفائی اس طرح جاری تھی کہ صفائی کرنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے مگر صفائی دکھائی دیتی تھی اور بڑی ہی خاموشی اور نظم وضبط کے ساتھ غالباً راتوں کو جب مہمان فارغ ہو جاتے تھے اس وقت بھی وہ صفائی کرتے تھے اور دوران جلسہ بھی مسلسل صفائی جاری رہی۔

علاوہ ازیں خدمت کا جہاں تک تعلق ہے بہت بڑی خدمتیں ان کے سپرد تھیں مثلاً بیرونی مہمانوں کے علاوہ جماعت جرمنی میں جو نئے احمدی ہوئے ہیں ان کی خدمت کے تقاضے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ان میں عرب بھی تھے،ان میں افریقن ممالک سے تعلق رکھنے والے بھی تھے،ان میں مشرقی یورپ کے مختلف قوموں کے لوگ بھی تھے اور وہ بھی جو مستقلاً جرمنی میں بستے ہیں لیکن دوسرے ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر ایک کا انتظام بہت ہی عمدہ کیا گیا اور جو ٹیم بھی جس کام پر مامور تھی اس نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ بلکہ ذمہ داری سے بڑھ کر دل لگا کر اپنائیت کے ساتھ خدمت کی۔چنانچہ ہمارے ساتھ جو قافلے کے لوگ مختلف جگہوں پر ٹھہرے ہوئے تھے ہر ایک کا یہی تاثر ہے۔

انگلستان میں بھی خدا کے فضل سے خدمت کا معیار بڑھ رہا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمانوں کی عزت کی جاتی ہے۔بہت احترام کے ساتھ،ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جاتا ہے لیکن ایک فرق ہے کہ اکثر وہ مہمان جو انگلستان میں خصوصاً لندن میں جلسے کے دنوں میں ٹھہرتے ہیں وہ زیادہ تر رشتے داریوں کی وجہ سے اور پرانے تعلقات کی بناء پر ٹھہرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے ساتھ جو حسن سلوک ہے وہ محض ایک مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان کے تعلق سے نہیں ہے۔وہ تعلق نہ بھی ہوتا تو رشتے داروں کی خدمت کرنا ہمارے مشرقی معاشرے کا حصہ ہے اور ایک طبعی ذوق کے ساتھ دونوں طرف لطف اٹھاتے ہوئے یہ خدمتیں کی جاتی ہیں مگر یہاں جو میں تجربہ بیان کر رہا ہوں جن خاندانوں کو ہم نے جن خاندانوں میں ٹھہرایا ان کا کوئی بھی رشتے کا تعلق نہیں تھا۔بہت سی سیر گاہوں پر بھجوایا وہاں بھی وہ پہلے واقف ہی نہیں تھے،اجنبی تھے

لیکن جس طرح انہوں نے خدمت کی مجھے انہوں نے بتایا کہ بالکل لگتا تھا کہ بہت ہی معزز مہمان آیا ہوا ہے جس کے لئے فرش راہ بن گئے تھے۔انتظار کرتے کرتے راتیں آنکھوں میں انہوں نے کاٹیں۔اپنا سب گھر بار ہمیں پیش کر دیا۔ان کے بچے محبت سے ملے،ان کے بڑوں نے خدمت کی اور تھکے نہیں،ان کے چہرے پر مسلسل بشاشت کے آثار تھے۔یہ وہ خوبی ہے جس پر اللہ پیار کی نظر ڈالتا ہے۔پس میں جماعت جرمنی کو مبارکباد دیتا ہوں۔

میں پہلے بھی کئی دفعہ وہ واقعہ بیان کر چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایک مہمان کی خدمت پر آنحضرت ﷺ کو اللہ نے اطلاع دی اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ آسمان پر ہنس رہا تھا جب وہ خدمت کرنے والے اس رنگ میں خدمت کر رہے تھے اور ایک روایت میں میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جب وہ مہمان کو یہ بتانے کے لئے کہ گویا ہم بھی کھا رہے ہیں مچاکے مار رہے تھے یعنی چٹخارے جس طرح کھاتے ہوئے انسان بھرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان پر مچاکے مار رہا تھا۔یہ ایک بہت ہی عظیم اظہار ہے خدا تعالیٰ کا اپنے پیارے بندوں کے ہر حسن پر نگاہ رکھنے کا۔**نعوذ باللہ من ذالک** اللہ تعالیٰ تو مچاکے نہیں مارا کرتا۔نہ وہ ہنستا ہے ان معنوں میں جن میں ہم ہنستے ہیں۔تو یہ انسانی محاورے کی مجبوریاں ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے بھی ان محاوروں کو استعمال کر کے ایسی زبان میں ہمارے دل کو پیغام دیا کہ دل اللہ کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔اس سے بہتر اظہار ممکن نہیں تھا۔پس ہرگز یہ وہم نہ لائیں کہ **نعوذ باللہ من ذالک**،اللہ تعالیٰ کوئی بیٹھا آسمان پر کسی کے مچاکوں کے ساتھ مچاکے مارنے لگ جاتا ہے۔وہ تو وہ خدا ہے جو غریبوں کے ساتھ غریب ہو جاتا ہے،اپنے خدمت کرنے والے بندوں کے ساتھ ان کی خدمتوں میں شامل ہو جاتا ہے،اس کی جو عظمت ہے وہ اس بات میں ہے کہ وہ اپنے ذلیل سے ذلیل بندے پر بھی جھک سکتا ہے اور یہی اس کی عظمت کے اظہار کے قصے ہیں کہ ایک معمولی سی بات کے اوپر بھی اللہ تعالیٰ اتنے پیار سے شکریہ ادا کرتا ہے ان بندوں کا جو احسانات کے تلے دبے ہوئے ہیں اور وہ احسانات کا شکریہ ادا ہی نہیں کر سکتے۔تو یہ حسن خدا کی ذات کا ہے۔اس کی عظمت اور اس کی رفعت اس میں ہے کہ وہ اپنے کمزور سے کمزور بندوں میں بھی جب کوئی اچھی بات دیکھتا ہے تو ان پر جھک جاتا ہے اور ان کو اپنے جھکنے کے ساتھ رفعت بخشتا ہے۔

پس یہ خوبی جو مہمان نوازی کی خوبی ہے اس کے متعلق بھی جیسا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ

کے حوالے سے میں نے آپ کو بتایا ایسی خوبی نہیں ہے جو نظر انداز کی جاتی ہے۔ یہ مشہود خوبی ہے۔اس پر نظر پڑتی ہے آسمان سے، مگر اس کی وجہ للہ ہونی چاہئے۔ ورنہ بے شمار مہمان نوازیاں ہیں جو رشتوں کی خاطر، ذاتی محبتوں کی خاطر کی جاتی ہیں، مجبوراً کی جاتی ہیں، دکھاوے کے لئے کی جاتی ہیں، ان کی کوئی قدر آسمان پر نہیں ہوتی۔ مگر جو اللہ کی خاطر کرتا ہے یہ مہمان نوازی زمینی نہیں رہتی بلکہ آسمانی بن جاتی ہے۔ پس یہی بیان مقصود تھا جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی بھی پیار کی نظریں اس پر پڑ رہی تھیں۔ تو اس حسن خلق کو بڑھائیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو پانچ بنیادی شاخوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔

اور یہ حیرت انگیز بات ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت کے کارخانے کا ذکر فرماتے ہوئے کہ جو الٰہی کارخانہ قائم فرمایا گیا ہے اس کی پانچ مستقل شاخیں ہیں ان میں ایک مہمان نوازی کو قرار دیا ہے اور یہ ایک پیش گوئی کا رنگ بھی رکھتا تھا کیونکہ جماعت احمدیہ کے پھیلنے اور نشوونما کا جماعت احمدیہ کے خلق مہمان نوازی سے ایک گہرا تعلق ہے۔ پھر تمام دنیا کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کا جماعت احمدیہ کے خلق مہمان نوازی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ سب دنیا میں جہاں جلسے منائے جاتے ہیں وہاں بسا اوقات خصوصاً ان دنوں جبکہ کثرت سے نئے مہمان تشریف لا رہے ہیں مہمان نوازی کے تقاضے اونچے ہو جاتے ہیں اور ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس زمانے میں جبکہ گنتی کے چند افراد کی آمد آمد تھی ساری جماعت کو ایک عظیم ذمہ داری کے لئے تیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور ہدایت کی کہ آنے والے مہمانوں کا خیال رکھنا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خود اتنا خیال تھا کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

ایک وقت قادیان میں ایک دفعہ جلسے کے دنوں میں چند مہمان بھوکے رہ گئے اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ کے بچوں کی وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ ان کے بچوں نے مجھے بڑی تفصیل سے وہ دلائل پیش کئے جس سے پتا چلتا ہے کہ اول طور پر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب گویا مقصود تھے مگر اول طور پر تھے یا ضمناً تھے یہ بحث بے تعلق ہے۔ امر واقعہ یہ ہے وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے اور اس کی انہوں نے گواہی دی، تو وہ مہمان جو چند مہمان تھے جو بغیر کھانے کے سو رہے تھے یا سونے لگے تھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً فرمایا **اطعموا الجائع والمعتر** کہ جو بھوکا ہے اور

تکلیف میں مبتلا ہے اس کو کھانا کھلا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بے قراری سے باہر آ گئے رات کو اٹھ کے اعلان کروایا کہ گلیوں میں اعلان کر دو کون ہے جو بھوکا ہے اسے کھانا کھلایا جائے اور راتوں کو اٹھا اٹھا کر ان لوگوں کو کھانا پیش کیا گیا۔

تو مہمان نوازی کی جو میں تعریف کر رہا ہوں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جماعت احمدیہ کے ساتھ اس کا بہت گہرا تعلق ہے اور ہمارے مستقبل سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ مہمان نوازی کے ذریعے ہی ہم نے لوگوں کے دل جیتنے ہیں اور ہر جلسے پر، ہر اجتماع پر خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ پہلے سے بہتر مہمان نواز بنتی چلی جا رہی ہے۔ یہ جو دوسرا پہلو ہے اور یہ بھی زیادہ شکر کے لائق ہے۔ ورنہ لوگ مہمان نوازیاں کرتے تو ہیں چند دنوں کے بعد، چند مہینوں کے بعد، چند سالوں کے بعد تھک جاتے ہیں۔ مگر آج خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سو سال سے زائد عرصہ گزر گیا لیکن جماعت نہ تھکی، نہ ماندہ ہوئی بلکہ ہر سال پہلے سے بڑھ کر اس میں مہمان نوازی کے اخلاق سنورتے رہے اور زیادہ روشن اور صیقل ہوتے رہے۔ پس اس اعلیٰ خلق کی حفاظت کریں۔

ساری دنیا میں چونکہ یہ جمعہ نشر ہو رہا ہے اس لئے آپ کی جماعت جرمنی کے حوالے سے میں ان سب کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرة:149) تمہارے لئے خدا تعالیٰ نے ایک مطمح نظر بنا دیا ہے لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ہر ایک کے لئے ایک مطمح ہے، ایک دوڑ کا نشانہ ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ پس تمہارے لئے دوڑ کا نشانہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ تمام خوبیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ پس امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس پہلو سے بھی اپنی ذمہ داریوں کو صرف ذمہ داریاں سمجھ کر ادا کرنے کی توفیق نہیں بخشے گا بلکہ محبت کے ساتھ ان فرائض کو ادا کرنے کی توفیق بخشے گا۔ دل ڈال کر، اپنی روح ڈال کر یہ خدمتوں کی توفیق بخشے گا کیونکہ اگر یہ خدمتیں دل اور روح کے ساتھ کی جائیں تو پھر بوجھ نہیں بنتیں، پھر لطف بن جاتی ہیں۔ تو جو کام لمبے ہوں جو لیکھے لمبے ہوں ان میں ایسی محنت جو بوجھ بن جائے وہ زیادہ دیر تک چل نہیں سکتی۔ پس ہماری بقاء کا راز اس میں ہے، ہمیشہ کے لئے اپنی نیکیوں کو قائم رکھنے کا راز یہ ہے کہ نیکیوں سے محبت کریں اور محبت کے ساتھ ان باتوں کو سرانجام دیں اس کے نتیجے میں کوئی بوجھ، بوجھ نہیں رہے گا بلکہ زندگی کا ایک لطف بن جائے گا اور یہی بڑی وجہ ہے کہ جس کی وجہ سے جماعت

احمدیہ جرمنی کو خدا یہ توفیق بخش رہا ہے۔ جب بعض ان میں سے مجھے ملے میں نے ان کا شکریہ ادا کیا آپ کے متعلق بہت اچھی رپورٹ ملی تو انہوں نے کہا کس بات کا شکریہ۔ ہمیں تو بڑا ہی لطف آیا ہے، مزہ آ گیا، زندگی کے بہترین دن تھے۔ تو چونکہ دل ڈال کر خدمت کی جائے تو وہ مصیبت نہیں بنتی بلکہ خود اپنی جزا بن جاتی ہے۔ وہی خدمت انسان کو وہ لطف عطا کر دیتی ہے جو اس خدمت کو ہمیشگی بخش جاتا ہے۔

پس تمام دنیا کی جماعتوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ اس پہلو سے وہ اپنے مہمانوں کے لئے، آنے والے مہمانوں کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں اور ان آنے والے مہمانوں میں سب سے زیادہ اہم مہمان اس وقت نو مبائعین ہیں۔ نو مبائعین کا اب سلسلہ ایسا بڑھ چکا ہے کہ ان کے لئے ہمیں وسیع تر انتظامات کرنے ہوں گے۔ اب انفرادی کوشش پر ان کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اگر اتفاقات پر ان کو چھوڑ دیں گے، انفرادی کوشش پر چھوڑ دیں گے تو ایک بھاری تعداد ان میں سے ایسی رہ جائے گی جن کو پوچھنے والا، دیکھنے والا کوئی نہیں رہے گا اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں جو تالیفِ قلب کی ہدایت دیتا ہے، مؤلّفة القلوب بیان کرتا ہے ان لوگوں کو، یہ وہ لوگ ہیں جو ابتدائی دور میں اگر محبت پالیں تو ہمیشہ کے لئے آپ کے ہو جائیں گے۔ اگر ابتدائی دور میں ان سے سرد مہری کا سلوک ہو اور ان کا کوئی نہ ہو جو انہیں اپنا سکے اور سینے سے لگا سکے تو بعید نہیں ہوتا کہ یہ لوگ آہستہ آہستہ سرک یا پیچھے ہٹ جائیں یا اپنی ایک بے عملی کی سی حالت میں ٹھنڈے پڑ جائیں اور جیسے لوہا گرم ہو تو اس وقت اسے شکلیں عطا کی جاتی ہیں اور ٹھنڈا ہو جائے تو وہ شکلیں قبول کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس یہی دور ہے جبکہ آپ کی مہمان نوازی کا خلق ایک ایسے اجتماعی رنگ میں ان آنے والے مہمانوں کے دل جیتنے والا بنے جس کے ساتھ منصوبہ ضروری ہے۔ پس تمام جماعتوں کو اس پہلو سے منصوبہ بنانا چاہئے کہ کثرت سے آنے والے نئے احمدیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہے جسے جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان کے طور پر سر آنکھوں پر نہ لے اور جس کی خدمت ایک دلی جذبے سے نہ کرے۔ یہ کچھ دیر کی بات ہے۔ یہ مہمان وہ ہیں جو چند دنوں میں میزبان بننے والے ہیں۔ اگر پہلی زندگی کے چند مہینوں کے تجربے میں یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کے تجربے میں یہ آپ کے حسنِ خلق سے متأثر ہو گئے، آپ نے ان کی خدمتیں کیں تو ان میں ایسے پیدا ہوں گے جو آپ سے بڑھ کر خدمت کرنے والے ہوں گے اور آنے والے وقتوں کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو یہ آپ کے ساتھ شانہ بشانہ

مل کر پورے کریں گے۔ پس ہر پہلو سے یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے کہ ہم اپنی مہمان نوازی کے خلق کو انفرادی طور پر بھی بڑھائیں اور اجتماعی طور پر بھی ایسا منظّم کریں کہ اس کے نتیجے میں آئندہ صدیوں میں جو پھیلے ہوئے تقاضے ہیں ان کو ہم بہترین رنگ میں پورا کرنے والے ہوں۔

اب میں آپ کو اس آیت کریمہ کے حوالے سے کچھ باتیں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کہہ دے يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کئے ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ تمام تر گناہوں کو بخش دے کوئی بھی باقی نہ چھوڑے اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ یقیناً وہ وہی ہے جو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

اس مضمون کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ گزشتہ دنوں میں جب میں آپ کو تقویٰ کی طرف بلانے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے کی نصیحت کرتا رہا ہوں اور شرک سے کلیۃً پاک ہونے کے متعلق آپ کو سمجھاتا رہا ہوں تو بعض دلوں میں ممکن ہے بے حد خوف پیدا ہو گیا ہو اور بعض نے دبی زبان سے مجھ سے اظہار بھی کیا کہ اگر نیکی کے یہ تقاضے ہیں اور اتنی بلندیاں ہیں جنہیں ہم نے طے کرنا ہے اور بعض صورتوں میں ادنیٰ لغزش بھی ہمیں ہلاک کرسکتی ہے۔ اگر ہم روزمرہ کی زندگی میں ایک مشرکانہ حالت میں سانس لے رہے ہیں اور بسا اوقات سمجھے بغیر خدا کی محبت کے مقابل پر دنیا کی محبتوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کو دین کے مقابل پر برتر سمجھتے ہیں، اس کو اولیّت دیتے ہیں تو ہمارا بنے گا کیا؟ یہ چیزیں تو وہ ہیں جو ہمیں روزمرہ دکھائی بھی نہیں دیتیں۔ نشان دہی کی جاتی ہے تو پھر کچھ کچھ دکھائی دینے لگتا ہے لیکن نظر کا ہر روشنی کے درجے کے ساتھ ہم آہنگ ہونا محنت چاہتا ہے، یکدم نہیں ہوا کرتا۔ آپ باہر سے کسی اندھیرے کمرے میں آئیں تو کچھ دیر کے لئے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہوتا پھر رفتہ رفتہ ایک مدھم سی روشنی ابھرتی ہے وہ پھیل جاتی ہے۔ دراصل آپ کی روشنی دیکھنے کی صلاحیت بڑھتی ہے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ کمرہ جو بالکل اندھیرا تھا اس میں کہیں سے رفتہ رفتہ چھن چھن کر روشنی آرہی ہے اور وہ کمرہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ تو انسان جب توجہ

کرتا ہے اور محنت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی دیکھنے کی صلاحیت کو روشنی بخشتا ہے۔اس کی بصیرت روشن ہو جاتی ہے، کہیں باہر سے اور کوئی روشنی نہیں آ رہی ہوتی اس وقت لیکن وہ لوگ جن کی بصیرت خدا بڑھاتا ہے پھر بسا اوقات ان کے لئے مزید نور کا بھی سامان کرتا ہے۔چنانچہ دونوں طرف سے یہ سلسلہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔دیکھنے کی طاقت بڑھتی ہے اور اس کی مدد کے لئے آسمان سے نور بھی اترتا رہتا ہے اور قرآن کریم نے یہی دو سلسلے ہیں جن کا ذکر فرمایا ہے کہ اس طرح انسان رفتہ رفتہ نور کی جانب قدم بڑھاتا ہے اور دنیا میں کوئی خدا کے نور کا مظہر ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔پس اس پہلو سے جب میں آپ سے کہتا ہوں کہ نور کی جانب قدم بڑھائیں تو آنحضرت ﷺ ہی ہمیشہ پیش نظر ہوتے ہیں لیکن نور تک رسائی بہت مشکل ہے سوائے اس کے کہ نور آپ تک پہنچ جائے۔یہ مضمون بہت پیچیدہ اور باریک ہے مگر اس کا سمجھنا لازم ہے۔جب آپ کو یہ مضمون سمجھاؤں گا تو پیچیدہ نہیں رہے گا، بالکل صاف دکھائی دینے لگے گا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون کو ہمارے لئے خود واضح فرمایا ہے۔اہمیت بھی روشن کی ہے اور ساتھ یہ بھی سمجھایا ہے کہ کس طرح مایوس ہوئے بغیر ہمیں رفتہ رفتہ ترقی کرنی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

”۔۔۔نہایت ہی بدقسمت ہے وہ انسان جو حق کی طلب میں نکلے اور پھر حسن ظن سے کام نہ لے۔۔۔“

یعنی نیت یہ کر کے نکلے کہ میں نے حق کو تلاش کرنا ہے یا حق تک پہنچنا ہے ”اور پھر حسن ظن سے کام نہ لے“۔یہاں حسن ظن کا کیا معنی ہے؟ فرماتے ہیں ”ایک گل گو ہی کو دیکھو کہ اس کو مٹی کا برتن بنانے میں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے“۔یعنی وہ جو مٹی کے برتن بنا رہا ہے اس کو کبھی آپ غور سے دیکھیں اور کئی دفعہ میں نے بھی دیکھا ہے اور بہت ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے وہ بہت ہی جاذب نظر چیز ہے ۔کس طرح ایک مٹی کے گولے کو مختلف شکلوں میں ڈھالتا، اچانک اس کے اندر سوراخ پیدا کرنا پھر اردگرد وہ نقوش بھرنا۔سکاٹ لینڈ ایک دفعہ ہم گئے تو وہاں رستے میں مٹی کے برتن بنانے والے بہت بڑے ماہرین تھے تو وہاں کھڑے ہو کر دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ اس نظارے کو چھوڑ کر آگے جائیں۔ربوہ میں ہمارے ایک مٹی کے برتن بنانے والے تھے ان کے ہاں بھی کئی دفعہ سائیکل پہ

جاتے جاتے میں ٹھہر جایا کرتا تھا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی مثال دی ہے جو حسن اتفاق سے میرے دل پر پہلے ہی بہت اثر انداز ہو چکی ہے۔ فرماتے ہیں مٹی کے برتن بنانے والے کو دیکھو۔ اس مثال کا انسان کی ذات سے بھی ایک تعلق ہے کیونکہ انسان مٹی سے بنا ہوا ہے اور مٹی سے ایک برتن بنانے والا اس پر جو محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس سے بہت زیادہ محنت کی ہوئی ہے۔ کوئی نسبت ہی نہیں اس مٹی سے برتن بنانے والے کی اس خالق ازلی سے۔ اس کے ساتھ اس کی کوئی نسبت نہیں جس نے ابتدائے آفرینش سے انسان کی تخلیق کا نقشہ بنایا اور مٹی ہی کو مختلف رنگ میں ترقی دیتے دیتے زندگی کی منازل میں داخل کر دیا۔ اب یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ ساری دنیا میں بے شمار سائنس دان اس مضمون کی کھوج میں وقف ہیں لیکن اس کی کُنہہ کو نہیں پا سکے اور اقرار کرتے ہیں کہ ایک جگہ پہنچ کر گویا آگے ایک چٹان آ کھڑی ہوتی ہے اور آگے راستہ نہیں ملتا۔ جو راز معلوم کرتے ہیں کچھ دیر کے بعد پتا چلتا ہے کہ یہ راز معلوم نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک معمہ معلوم ہوا تھا جو اتنے اور راز ہمارے سامنے، ان کھلے راز، وہ راز جو سربستہ ہوں وہ راز لے کے آیا ہے کہ جسے ہم حل سمجھ رہے تھے وہ تو ایک معمہ بن گیا اور یہ جو میں آپ سے بات کہہ رہا ہوں علم کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں ان سائنس دانوں کو جنہوں نے بعض بڑی بڑی دریافتیں کیں اور بڑے فخر سے اعلان بھی کر دیا کہ اب ہم زندگی کی ابتداء کا راز سمجھ گئے ہیں اور ساری دنیا نے ان کو بہت اٹھایا اور بڑھایا کہ یہ وہ شخص پیدا ہوا ہے جس نے زندگی کی ابتداء کا راز معلوم کر لیا۔ دس پندرہ سال بعد وہی سائنس دان یہ کہتا ہے کہ بڑی ہی ناسمجھی تھی جو یہ اعلان ہوا، کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے۔ جس کو ہم زندگی کے آغاز کا راز سمجھے تھے وہ تو ایک ایسا معمہ نکلا ہے جو پیچ در پیچ اور بھی اپنے خم میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہم اس کو کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ پس یہ وہ کائنات کا خدا ہے جس نے مٹی سے انسان بنایا ہے اور وہ مٹی کا بنا ہوا انسان خود اپنی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا، نہ سمجھ سکتا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ میں دیکھوں تو سہی مجھے کیسے بنایا گیا ہے لیکن بہت دیر کے بعد اسے یہ ہوش آئی ہے۔ آج وہ مڑ کر دیکھنا چاہتا ہے کہ چار ارب سال پہلے یا ساڑھے چار ارب سال پہلے اس مٹی سے میرا خمیر کیسے اٹھایا گیا تھا۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے آثار کو بھی آج تک باقی رکھا ہے اور ساری جو کہانی ہے انسانی ارتقاء کی وہ ایسی جگہوں پر مرتسم کر دی ہے، نقش کر دی ہے کہ آج تک وہ آثار پڑھے جا سکتے ہیں

اگر بصیرت ہو۔تو بصیرت کے ساتھ ساتھ روشنی بڑھتی ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے اور وہ آثار جو پہلے دکھائی نہیں دیتے تھے دکھائی دینے لگتے ہیں۔مگر اس کے باوجود وہ ایک جگہ پہنچ کر اندھے کے اندھے رہ جاتے ہیں کیونکہ آسمان سے نور نہیں ان پر اترتا اور جب تک آسمان سے نور نہ اترے انسانی بصیرت کی ترقی اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔دنیا کے چند راز اس کو معلوم ہو جاتے ہیں لیکن اصلِ الحقیقت اس پہ نہیں کھلتی۔وہ گہری بنیادی حقیقت جو تخلیق کائنات میں موجود ہے وہ اسے پوری طرح دکھائی نہیں دیتی۔خدا تک پہنچتے پہنچتے رہ جاتا ہے اور پہنچ نہیں سکتا۔پس اس پہلو سے ایک مومن کی بصیرت اور غیر مومن کی بصیرت میں ایک فرق ہے۔مومن کی بصیرت کے ساتھ آسمان پر سے نور اترتا ہے اور وہ نور اس کو وہ روشنی عطا کرتا ہے جو دنیا کی محنت کرنے والوں کو نصیب نہیں ہوتا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گل گوہی کی مثال ہمارے سامنے رکھی کہ گل گوہی کو دیکھو وہ کیسے مٹی کے برتن بناتا ہے اور حسن ظن کا مضمون یہ ہے کہ وہ ایک مٹی کے گولے کو پکڑتا ہے اور یہ حسن ظن رکھتا ہے کہ اس سے یہ کچھ بن جائے گا جو میں بنانا چاہتا ہوں اور تھکتا نہیں۔وہ مختلف شکلیں دیتا ہے اور لگا رہتا ہے اس کو مزید خوبصورت شکلوں میں ڈھالنے میں اور یقین رکھتا ہے کہ ایسا ہو جائے گا۔پس مومن جس کے پیچھے خدا تعالیٰ کی مٹی کی تشکیل ایک عظیم تاریخ کے طور پر موجود ہے وہ کیسے مایوس ہوگا۔اگر وہ مایوس ہوگا تو وہ اس روزمرّہ کے پتھیرے سے بھی ذلیل اور بدتر ہو جائے گا جو صرف اینٹیں ہی بناتا ہے۔خود جو مٹی کا بنا ہوا ایک شاہکار ہو وہ اپنی تشکیل سے مایوس ہو جائے،حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں یہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔مگر اگر آپ بنا کے دیکھنا چاہیں تو اینٹ بھی نہیں پتھی جا سکتی۔پہلی دفعہ آپ کوشش کر کے دیکھیں وہ چار کونوں کی اینٹ کی بجائے یا چار اوپر اور چار نیچے کے آٹھ کونوں کی اینٹ کی بجائے وہ چالیس پچاس کونوں کی اینٹ بن جائے گی اور بعض دفعہ اینٹ کی بجائے تھوبا بن جائے گا۔تو محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ حسن ظن ہو کہ محنت کام آئے گی تو پھر انسان حقیقت میں ترقی کر سکتا ہے،اس کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گنہگار کو،ہر اس شخص کو جو خدا کی راہ میں آگے قدم بڑھانا چاہتا ہے دیکھیں کیسی پیاری پیاری مثالیں دے کر سہارا دے رہے ہیں۔فرمایا حسن ظن سے کام لو،محنت کرنی ہوگی،وقت لگے گا بعض چیزیں ایک دم ہاتھ نہیں آیا کرتیں رفتہ رفتہ ہوگا۔

چنانچہ فرماتے ہیں ''دھوبی ہی کو دیکھو کہ وہ ایک ناپاک اور میلے کچیلے کپڑے جب صاف کرنے لگتا ہے تو کس قدر کام اس کو کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی کپڑے کو بھٹی پر چڑھاتا ہے، کبھی اس کو صابن لگاتا ہے، کبھی اس کی میل کچیل کو مختلف تدبیروں سے نکالتا ہے''۔ یہ دھوبی کی مثال بھی بہت ہی برمحل ہے کیونکہ انسان اپنے صاف ستھرے لباس کو داغ دار کر لیتا ہے اور خود کر لیتا ہے۔ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو گویا کُل گوہی نے اس شکل میں ڈھال دیا جس شکل میں ڈھالنا اس کو مقصود تھا۔ بے داغ، پاک صاف، معصوم ایک صحت مند بچہ ماں کے پیٹ سے جنم لیتا ہے اور جوں جوں انسان کے زیر اثر آتا چلا جاتا ہے اس کی معصومیت داغ دار ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کپڑے کی طرح جسے آپ پہلی دفعہ نیا سمجھ کر پہنتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس پہ دھبے ڈال دیتے ہیں، کئی طرح کے اس پہ نشان پڑ جاتے ہیں اسی طرح وہ بچہ بھی پھر گندہ ہونے لگتا ہے لیکن بہت سے ایسے داغ ہیں جو محنت کے ساتھ دھل جاتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے انہی داغوں کی مثال دے رہے ہیں۔ اب دھوبی کو دیکھیں وہ بھی صبح صبح اٹھ کر جاتا ہے اور بعض دفعہ تالابوں کے کنارے، بعض دفعہ ہم جہاں قادیان میں ہوتے تھے تو دھوبی ڈھاب پر پہنچا کرتے تھے اور صبح سیر کے وقت کئی دفعہ ان کو دیکھ کر وہیں پاؤں جم جایا کرتے تھے کہ دیکھیں کیا کر رہے ہیں۔ وہ کپڑوں کی ایک ڈھیری لے کے آتے تھے جسے پہلے ساری رات وہ سوڈے والے پانی میں ابالتے تھے اور ابالنے کے باوجود اگر اسے عام اسی حالت میں دھولیں تو پھر بھی داغ نہیں اترا کرتے۔ چنانچہ وہ ان کپڑوں کو پٹختا تھا اور مختلف جگہ ان دھوبیوں نے اپنے اپنے پتھر بنا رکھے تھے یا پتھر اپنا رکھے تھے۔ بنی بنائی پتھریلی جگہیں تھیں اور پھر وہ ساتھ ''چھوا چھو'' کی آوازیں نکالتا تھا اور ہر دفعہ اس کپڑے کو پٹختا تھا پتھر کے اوپر اور ''چھوا چھو، چھوا چھو'' سارے ڈھاب کے کنارے پر ''چھوا چھو'' کے گیت اٹھ رہے ہوتے تھے اور بڑا دلچسپ نظارہ تھا مگر بڑی محنت کرتا تھا وہ اور بار بار پتھر پر پٹخنے سے پھر وہ داغ کپڑے کو چھوڑ دیتے تھے۔

تو گناہوں کے داغوں کی بھی تو ایسی ہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ کچھ ہلکے اور کچے داغ ہوتے ہیں۔ کچھ کو تو ٹھنڈے پانی سے دھو کر اسی وقت مل دیں تو وہ اتر بھی جاتے ہیں۔ تازہ گناہوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ داغ جتنا پرانا ہوتا جائے اتنا ہی اس کا دور کرنا مشکل ہوتا جاتا ہے۔ پس اس

مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں سمجھیں تو آپ کو بہت سے معرفت کے راز ہاتھ آئیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو خدا نے جس مٹی سے تشکیل دیا ہے وہ ایک ایسا شاہکار ہے کہ اس کا عام انسان بلکہ بڑے سے بڑا سائنس دان بھی تصور نہیں کر سکتا کہ کتنا عظیم شاہکار ہے۔ اس کو تشکیل کے بعد پھر آپ گندا کرنے لگتے ہیں۔ اس کی شکلیں بدلنے لگتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا مکروہ ہو جاتا ہے کہ پہچانا ہی نہیں جاتا کہ کس ہاتھ کا بنا ہوا تھا اور پھر اس کو داغ دار کرنے لگتے ہیں۔ تو جیسے کپڑا داغ دار ہو کر جب پرانا ہو جائے تو پھر وہ داغ نہیں مٹتے، کپڑا مٹ جاتا ہے مگر داغ نہیں مٹتے۔ وہی حال انسان کا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ دھوبی سے بھی نصیحت پکڑو۔ وہ دیکھو کتنی محنت کرتا ہے کپڑوں کے داغ دھونے پر اور اگر دیر تک وہ کپڑا دھوبی کے جائے ہی نہ، اگر اس پر محنت کی ہی نہ جائے تو ایسے کپڑے کے داغ پھر بعض دفعہ اس کا ہمیشہ کے لئے جز بن جاتے ہیں اور ان کا مٹنا اور مٹانا ایک امر محال دکھائی دیتا ہے۔ مگر انسان کے لئے اس صورت میں بھی کسی مایوسی کا کوئی مقام نہیں کیونکہ یہ آیت کریمہ یہی بتا رہی ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ اعلان کر دے کہ اے میرے بندو! اور یہاں بندوں کا جو حوالہ ہے رسول اللہ ﷺ اپنی طرف دے رہے ہیں۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ تو کہہ دے اے میرے بندو یعنی جو خدا کے عباد میں داخل ہو چکے ہو اور میری غلامی قبول کر چکے ہو، تم میرا دامن تھام چکے ہو اور یہ فیصلہ کر چکے ہو کہ میرے پیچھے چلو گے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میرا رب اتنا عظیم ہے کہ وہ ہر گناہ کو بخشنے کی طاقت رکھتا ہے اور وہی ہے جو گناہوں کو بخشنے کی طاقت رکھتا ہے اور پھر رحیم بھی ہے جو گناہ بخشنے کے بعد پھر بار بار رحم لے کر آتا ہے اور ترقی کے مثبت دور میں داخل فرما دیتا ہے۔

پس اس پہلو سے جب آپ اس مثال کو سامنے رکھیں تو اول تو یاد رکھیں کہ جتنی دیر تک آپ اپنے گناہوں پر راضی رہیں گے اور ان کے خلاف جدوجہد کا آغاز نہیں کریں گے اتنا ہی آپ کے لئے ان کو دور کرنا مشکل، دو بھر یہاں تک کہ ایک وقت میں ناممکن ہو جائے گا یعنی انسانی کوششوں کے بس کی بات نہیں رہے گی۔ پھر آسمان ہی سے کوئی فضل نازل ہو تو ان کو دور کر سکتا ہے ورنہ زندگی بھر پھر آپ کو انہی داغوں میں رہنا ہوگا، انہی داغوں میں دفن ہونا پڑے گا۔ پس اس پہلو سے توجہ کریں کہ

اگر چہ سفر بہت لمبا ہے اور کمزوریاں بہت زیادہ ہیں مگر مٹانے کا سفر شروع ہو جانا چاہئے یعنی داغوں کو مٹانے کا سفر لازماً شروع ہو جانا چاہئے اور جتنی توفیق ملتی ہے اپنا جائزہ لے کر انصاف کی نظر سے،تقویٰ کی نظر سے یہ دیکھیں کہ آپ میں کہاں کہاں، کیا کیا خامیاں ہیں اور کچھ کو آپ پکڑ لیں۔ کچھ کو پکڑ کے فیصلہ کر لیں کہ ان کو تو میں لازماً چھوڑ کے رہوں گا اور پھر دعا کریں۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ راز سکھایا ہے کہ پھر اللہ سے مدد مانگنا کیونکہ اس کے بغیر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ صبر کے ذریعے یعنی اس حسن ظن کے ذریعے کہ یہ داغ مٹ جائیں گے اور پھر اس کوشش پر ہمیشہ قائم رہتے ہوئے وَالصَّلٰوةِ اور عبادت کے ذریعے نمازیں پڑھ پڑھ کے خدا سے مدد مانگتے رہو اور ان داغوں کو مٹا کے چھوڑو جو بدزیب لگتے ہیں اور آپ کی نظر کو بھی برے لگتے ہیں۔ یہ وہ داغ ہیں جو بعد میں پڑے ہیں، جو ابھی نئے ہیں، ابھی آپ ان کو پہچانتے ہیں کہ بری باتیں ہیں تو آپ سمجھیں گے کہ یہ جو نئے نئے داغ مجھے دکھائی دے رہے ہیں ان کو صاف کر کے میں کام سے فارغ ہو جاؤں گا لیکن جب آپ ان داغوں کو دور کریں گے تو آپ کو دکھائی دے گا کہ ان کے نیچے چھپے ہوئے داغ اور بھی زیادہ بدزیب تھے بدصورت تھے اور زیادہ پکے ہو چکے ہیں۔ تو اگر سفید کپڑے کے اوپر چند داغ ہوں تو اس کا مٹانا یعنی دھوبی کی طرح اس کو پٹخ پٹخ کر پتھروں پر یا ابال ابال کر ان کا صاف کرنا نسبتاً بہت زیادہ آسان کام ہے۔ مگر انسان کے معاملے میں یہ داغ کی تہیں ہیں جو تہہ بہ تہہ جمتی چلی جاتی ہیں اور بڑھتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ اوپر کی تہہ نیچے کے داغوں کو دیکھنے بھی نہیں دیتی۔ انسان کی نظر ان تازہ داغوں پر ہوتی ہے جو ابھی ابھی کل پرسوں کی بات ہے کہ وہ ان گناہوں میں مبتلا ہوا اور اس کی وجہ سے اسے وہ داغ دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی نئی بدتمیزی سیکھی ہے انسان نے تو کچھ دن تک نظر آتی ہے کہ ہاں یہ میں نے ایک نئی بدتمیزی سیکھی ہے اور جب وہ اس کو مٹا لے گا تو اس کی نظافت کا معیار بلند ہو جائے گا اور اس معیار کی بلندی کے نتیجے میں اس کو وہ بصیرت عطا ہو گی جس کا ذکر میں نے کمرے کے حوالے سے کیا تھا یعنی نظر کو عادت پڑ جائے گی داغ دیکھنے کی اور وہ داغ جو پہلے دکھائی نہیں دیتے تھے اب ان مٹتے ہوئے داغوں کے نیچے دیکھیں گے تو آپ کہیں گے ابھی تو بہت کچھ باقی ہے اور ان کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کے لئے پھر صبر اور صلوٰۃ کی ضرورت ہے۔ بہت استقامت کے ساتھ اس عزم پیہم یا عزم صمیم کے

ساتھ کہ آپ چھوڑیں گے نہیں جب تک ان داغوں کو مٹا نہیں لیں گے جب آپ خدا کی طرف متوجہ ہوں گے دعائیں کریں گے صبر سے کام لیں گے تو ایک ایسا بھی وقت آئے گا کہ آپ ان خوش نصیبوں میں داخل ہو جائیں گے جن کے کچھ پرانے داغ بھی مٹ گئے اور ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور پھر ایک اور داغوں کی منزل ہے، داغ دیکھنے کی منزل ہے جو سامنے آکھڑی ہوگی۔ غرضیکہ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ غیر معمولی طور پر کسی کو توفیق بخشے اور وہ اس دنیا میں صدیقوں میں داخل ہو جائے ورنہ صالحیت کا سفر ہی طے نہیں ہوتا اور بسا اوقات انسان صالحیت کے جھگڑے حل کرتے کرتے ہی مرجاتا ہے۔ مگر اگر صالحیت کی منزل پر بھی مرجائے تب بھی وہ خوش نصیب ہے کیونکہ وہ اس گروہ میں داخل ہو جائے گا۔ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء: 70) تو صالحیت کا سفر بھی بہت لمبا سفر ہے یہ جب داغ مٹیں گے تو پھر اور، پھر اور، پھر اور لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور سفر بھی شروع ہو جائے گا جو خوبیوں کا حاصل کرنے کا سفر ہے۔ ہر مٹتے ہوئے داغ کے ساتھ ایک خوبصورتی ہے جو آپ کو عطا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا حسن مثبت صورت میں آپ کو دکھائی دے گا، آپ کو اس سے محبت ہوگی، آپ اسے اپنائیں گے تو داغوں کا مٹنے کا سفر اپنے ساتھ حسن کو اختیار کرنے کے سفر کو بھی رکھتا ہے اور بیک وقت یہ دونوں چیزیں پہلو بہ پہلو جاری رہتی ہیں۔ اس جدوجہد میں داخل ہونا ہی حقیقی جہاد ہے اور اس جدوجہد میں پڑنے کے بعد جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ یہ صلاحیت بخشے گا کہ وہ بہت جلد سب دنیا پر غالب آجائے گی۔ جب تک غالب آنے کے لئے سلیقے معلوم نہ ہوں وہ تربیت نہ ہو جس تربیت کے گزرنے کے بعد ایک سپاہی بنتا ہے اور خدا کا سپاہی بننا عام سپاہی بننے سے بہت زیادہ مشکل کام ہے۔ آسان ان معنوں میں تو ہے کہ جس حالت میں بھی ہے خدا قبول فرمالیتا ہے کہتا ہے جو کچھ ہے لے کر داخل ہو جاؤ لیکن مشکل ان معنوں میں کہ اس سپاہی کے بننے کے تقاضے پورے کرنا عام دنیا کے سپاہی بننے کے تقاضوں سے بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ دنیا میں جتنی بھی بڑی بڑی قومیں سپاہیوں کی تربیت کرتی ہیں انہوں نے سالوں پہ معیار بنا رکھے ہیں کہ بعض قوموں میں تین سال تک سپاہی کی تربیت کافی ہوتی ہے اور بعض اس کو چار یا پانچ سال تک لے جاتے ہیں۔ تو پانچ سالہ تربیت عموماً امریکہ میں مثلاً سپاہی تیار کرتے وقت دی جاتی ہے اور یورپ میں بھی غالباً یہی

معیار ہوگا اور پھر ان میں سے جن کو آگے بڑھانا ہو ان کی تربیت کے سال اور لمبے ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا کے سپاہی بننے میں یہ عجیب بات ہے کہ جنگ میں داخل تو آپ کو فوراً کر لیا جاتا ہے لیکن تربیت کا دور آخری سانس تک جاری رہتا ہے کیونکہ کام بہت وسیع ہیں اور ممکن نہیں کہ انسان ان تقاضوں کو پورا کر سکے اور وقت کی کمی تقاضا کرتی ہے کہ جلدی سپاہی پیش کرو۔ تو کچے پکے جتنے بھی سپاہی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میری خاطر تم آتے ہو تو آجاؤ میں تمہیں اپنی فوج میں داخل کرتا ہوں لیکن شرط ہے کہ ساتھ ساتھ سیکھنا ضرور ہوگا اور اپنا معیار ضرور بلند کرنا ہوگا۔

پس موت تک جو ہم سپاہی بنتے ہیں اکثر صورتوں میں اور بڑی بھاری اکثریت کی صورتوں میں ہم صالح بننے کی ٹریننگ حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ صالح ہو جائیں اور صالح بننا جس کو نصیب ہو جائے ایسی حالت میں کہ جب وہ مرے تو اللہ تعالیٰ فرمائے کہ یہ صالحین میں تھا اور صالحین کی جماعت میں اس نے دم توڑا ہے یہ بہت ہی بڑا اعزاز ہے کیونکہ صالحیت کا لقب نجات کا لقب ہے۔ جس کو خدا صالح قرار دے دے وہ نجات پا گیا اور مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ میں جو خدا تعالیٰ نے مَعَ کا لقب رکھا ہے پہلے مِّنَ نہیں رکھا اس کی ایک بڑی حکمت یہ ہے تا کہ ان کو نبیوں کا ساتھ نصیب ہو سکے۔ ہر ایک تو من النبین نہیں ہوسکتا ہر ایک تو من الصدیقین نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک تو من الشهدآء نہیں ہوسکتا پس وہ صالح کیا کریں گے جو سب سے نچلی منزل پر بیٹھے رہے یا چلتے چلتے ایسی حالت میں دم توڑ دیا کہ ابھی وہ ابتدائی منزل پر ہی تھے۔ کیا ان کو ان بلند تر وجودوں کا ساتھ نصیب نہیں ہوگا؟

پس پہلا مَعَ یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ مبارک ہو تمہیں کہ تم اب انعام یافتہ لوگوں کے ساتھ شمار ہو گے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: 119) میں یہی پیغام ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران: 194) کہ اے اللہ ہمیں ابرار کے ساتھ موت دے۔ تو کتنے بڑے احسانات ہیں۔ ایسے احسانات کہ نہ گنے جا سکتے ہیں نہ گنوائے جا سکتے ہیں جو ذوالمنن کے احسانات اپنے بندوں پر ہیں کیسی کیسی شفقتوں کا سلوک فرماتا ہے، کتنے پیار کا اظہار کرتا ہے گنہگاروں کو بخشنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے اور پھر یہ دستور بنا لیا ہے کہ تم سفر شروع کرو جہاں بھی تمہارا انجام ہوگا ہم تمہیں صالحین میں شمار کر لیں گے مگر سفر شرط ہے۔ پس آپ یہ سفر کریں اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور یقین رکھیں کہ یہ چیزیں جو بہت مشکل دکھائی دیتی ہیں یہ وقت کے ساتھ ساتھ آسان ہوتی چلی

جائیں گی اور ہر قسم کے داغ مٹائے جاسکتے ہیں اگر خدا تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہو اور وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرة:45) پر عمل ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں

''۔۔۔ جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے اس قدر صبر سے کام لینا پڑتا ہے تو پھر کس قدر نادان ہے وہ شخص جو اپنی زندگی کی اصلاح کے واسطے اور دل کی غلاظتوں اور گندگیوں کو دور کرنے کے لئے یہ خواہش کرے کہ یہ پھونک مارنے سے نکل جائیں اور قلب صاف ہو جائے۔'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ:459)

یعنی پھونک مارنے سے یہ سارے گناہ دور ہو جائیں اور قلب اچانک صاف ہو جائے۔ یہ پھونک مارنے والے پیر اور فقیر سب دنیا کو دھوکے دیتے پھرتے ہیں اور ان کی پھونک سے تو ان کا اپنا نفس بھی کبھی صاف نہیں ہوا۔ تعفن کی پھونک ہے جو شرک پھیلاتی ہے۔ ایک بدبو جس کے پاس کوئی شریف النفس انسان کھڑا بھی نہیں ہوسکتا اور اتنی جہالت ان لوگوں نے پھیلائی ہے اور ہر سال یورپ کے سفر کرنے والے بڑے بڑے پھونک مارنے والے صوفی آتے ہیں اور درویش اور فقیر پہنچتے ہیں، ان کے اخباروں میں اشتہار چھپ جاتے ہیں کہ وہ بہت پہنچا ہوا صوفی آ گیا ہے جو ایک نظر سے تمہیں آر پار کر دے، یہاں سے کہیں اور پہنچا دے گا اور اس کی ایک پھونک سے تم ہر بیماری سے شفا پا جاؤ گے۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ سب ظلم کے قصے ہیں۔ شرک کی تعلیم ہے جو یہ دینے آتے ہیں اور جنت کی بجائے جہنم کی گارنٹی ہوتی ہے۔ یہ کہنا ان کے لئے جائز ہے کہ ایک پھونک میں ہم تمہیں جہنم میں پہنچا دیں گے۔

احمدیت نے اللہ کے فضل کے ساتھ آپ کو ان اندھیروں سے نکالا ہے۔ اتنا بڑا احسان ہے کہ کوئی انسان اس پر غور کرے تو وہ ساری عمر یہ شکر ادا کرتے کرتے مر جائے تو شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے آپ کو کہاں پیدا کر دیا۔ کس روشنی میں پیدا فرما دیا ہے۔ امام مہدی کا زمانہ عطا کیا، اس کی جماعت میں داخل کیا، اس کی جماعت میں شامل ہو کر محض اللہ نے اپنے فضل سے آپ کو مزید ترقیات کی طرف قدم بڑھانے کی توفیق بخشی۔ تو یہ بہت احسانات ہیں جس نے آغاز سفر کے سامان مہیا کئے ہیں لیکن یہ سفر کا انجام نہیں ہے۔ یہ بات ہے جو میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا

ہوں۔ آئندہ بھی سمجھا تا رہوں گا کہ احمدیت ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اندھیروں سے نکل کر آپ آئے ہیں لیکن روشنی میں پہنچ کر سفر ختم نہیں ہوا بلکہ روشنی میں پہنچ کر سفر کا آغاز ہوا ہے اور توحید کا سفر لامتناہی ہے، اپنے نفس کو شرک سے پاک کرنے کا سفر لامتناہی ہے۔ ان معنوں میں لامتناہی ہے کہ وہ جو خدا کی طرف سے توحید کے نور سے مزین کئے جاتے ہیں یا روشن کئے جاتے ہیں یعنی انبیاءؑ کا گروہ، ان کے سوا باقی ہر طبقے کے بزرگوں اور نیکوں کے لئے توحید کے متعلق محنت کرنی پڑتی ہے، مسلسل محنت کرنی پڑتی ہے اور توحید کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس لئے سفر لامتناہی رہتا ہے کہ آئے دن کوئی نہ کوئی شرک کا حملہ ان کے اوپر ہوتا ہی رہتا ہے۔ کبھی اولاد کی طرف سے ابتلاء آگیا، کبھی نظام جماعت کی سزا کے طور پر ابتلاء آگیا، کبھی مالی ابتلاء آگیا، کبھی قریبیوں کی موت ابتلاء بن گئی۔ تو انسانی زندگی میں جو توحید کا سفر ہے وہ بظاہر مکمل ہونے کے باوجود ایک انسان یہ سمجھ بھی لے کہ میں توحید کامل پر قائم ہو گیا پھر بھی یہ سفر مکمل نہیں ہوتا کیونکہ ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے چلے جاتے ہیں، نئی نئی آزمائشیں آتی چلی جاتی ہیں، نئے نئے امتحان درپیش ہوتے ہیں تو اللہ کرے ہمیں ان سب تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا ہو کیونکہ ہم پر ذمہ داریاں بہت ہیں۔ بہت بڑے کام ہیں جو ہمارے سامنے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو فضلوں کی رفتار بڑھا دی ہے اسے دیکھ کر جہاں روح سجدہ ریز ہو جاتی ہے وہاں خوف بھی پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم سے بڑی توقعات رکھی ہیں۔

کہاں آٹھ دس ہزار احمدیوں کا سال بھر میں ساری دنیا میں جماعت میں داخل ہونا یعنی غیر احمدیوں کا احمدی بننا یا غیر مسلموں کا مسلم بننا، کہاں سولہ لاکھ کا ایک سال میں مہمان بن کر چلے آنا۔ تو میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اللہ نے ہم پر نظر رحمت فرماتے ہوئے ہم سے توقعات رکھی ہیں اور جتنے فضل عطا کئے ہیں اتنی ہی ہم سے توقعات بڑھ گئی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نظر میں ہم اصلاح پذیر ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں ہماری وسعتیں پھیل رہی ہیں، ہماری صلاحیتیں بڑھ رہی ہیں اور ان کے مطابق اس کے فضل نازل ہو رہے ہیں اور ان کے مطابق ہم سے توقعات اونچی ہو رہی ہیں۔ پس دعا کرتے رہیں اور تھکے بغیر، پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر مسلسل قدم آگے بڑھاتے رہیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو اور خدا ہم سب کو جو آج زندہ ہیں اس آنے والی صدی کا امام بنا دے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین